اقبال، ماورائے شاعر

عامر رؤف خان

اقبال شاعر بھی ہے اور فلسفی بھی، تحریکِ آزادی کا مجاہد بھی ہے اور مصورِ پاکستان بھی۔ اقبال مجتہد بھی ہے اور دانائے راز بھی، ایسے دانائے راز اس قحط الرجال میں خال خال ہی ملا کرتے ہیں۔ اب مزید کوئی دانائے راز شائد ہی ایسی فکری بلندی کا حامل کا اس قوم میں آئے۔ کسی ادب کی یہ خوش قسمتی ہوتی ہے کہ اسے ایک ایسا فنکار میسر آجائے، جس کا فن زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر آفاقیت کا درجہ حاصل کر لے۔ ایسا فنکار جہاں اپنے لیے شہرتِ دوام حاصل کرتا ہے وہاں وہ اپنی زبان کے ادب سے بھی عالم کو روشناس کراتا ہے۔ اقبال بلاشبہ اردو ادب کے افق پر چمکنے والا ایسا ہی ایک ستارہ ہے۔ ان کے شاعرانہ معجزے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اپنی پرسوز شاعری سے انھوں نے برِصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کا ایک نیا ولولہ پیدا کیا۔

تاہم شاعری اقبال کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک پہلو ہے، وہ ایک ایسے مجتہد کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں جو امتِ مرحوم کی از سرِنو تشکیل اور سربلندی کا خواہاں ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے دانشور، فلاسفر اور سکالر آئے ہیں انھوں نے اس دنیا اور اپنے اردگرد کے معاشرے کو اپنی منفرد سوچ اور اپنے الگ نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ فی الحقیقت جب ہم اپنی دنیا، اپنے معاشرے یا اردگرد کے ماحول سے مطمئن نہیں ہو پاتے تو ہمارا شعور اور لاشعور ہمیں ایک نئی تصوراتی دنیا بسانے پر آمادہ کرتا ہے۔ جس میں سب کچھ ہماری آرزوؤں کے عین مطابق ہوتا چلا جاتا ہے اور اس دنیا میں ہم جس چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں، وہ کمی ہم اپنی تصوراتی دنیا میں پوری کر لیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کئی نامور فلاسفہ نے اپنی تصوارتی دنیا یا نقشہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ یہاں اس بات کا ادراک ضروری ہے کہ ان میں بعض نے پوری ریاست کا نظریہ پیش کیا ہے تو بعض نے صرف ایک فرد کا پروگرام۔ یعنی کہیں ہمیں کل کا تصور ملتا ہے تو کہیں صرف جز دکھائی دیتا ہے۔ اسی لیے افلاطون نے کل کی شکل میں ہمیں اپنی مثالی ریاست

Republic کا تصور دیا۔ ارسطو نے ہمیں جز کی صورت میں مثالی انسان (i deal man) کا تصور دیا۔ عبدالکریم جیلی نے مرد کامل کا تصور دیا۔ سر تھامس مور نے یوٹوپیا (Utopia) کا تصور دیا۔ مولانا روم کے ہاں بھی ہمیں کامل انسان کا تصور ملتا ہے۔ نطشے نے ہمیں فوق البشر (Supper Man) کا تصور دیا۔ اسی طرح علامہ محمد اقبال نے بھی مردِ مومن کی اصطلاح سے متعارف کرایا۔ علامہ کے اپنے معاشرے اور حالات سے غیر مطمئن ہونے کے حوالے سے پروفیسر وقار عظیم لکھتے ہیں:

> یہ جستہ جستہ شعر کسی نہ کسی انداز میں چند حقیقتیں ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاعر کے موجودہ ماحول میں اس کے لیے گھبراہٹ، پریشانی اور افسردگی کے مختلف اسباب موجود ہیں۔ یہ گھبراہٹ، پریشانی اور افسردگی اس کے دل میں اس ماحول سے گریزاں ہونے کی خواہش کو جنم دیتی ہے۔[۱]

جب علامہ مردِ مومن کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو کیا اس سے ہمیں محض تحریک دینا مقصود ہے؟ کیا اس سے مراد معاشرے کے کسی ایک شخص کو تحریک دے کر اسے خود آ گاہی کے بلند ترین مدارج تک پہنچانا مقصود ہے؟ یا پھر ان کے ذہن میں بھی کسی تصوراتی دنیا کا نقشہ موجود تھا۔ یہ بات تو طے ہے کہ اقبال محض چند کلیوں پر قناعت کرنے والے مرد دانا نہیں، بلکہ وہ ایک ایسے دانشور ہیں جو آنے والے دور کی نبض پر ہاتھ رکھے اس کے مسائل کا حل بتاتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر تحسین فراقی:

> حقیقت یہ ہے کہ اپنی انگلیوں کے پوروں تک مجسم التہاب وانقلاب اقبال زمانے کے گہرے نبض شناس تھے۔[۲]

کسی بھی کلام کا نفسیاتی مطالعہ کرنے سے ہم اس کے مصنف کے ذہن کی مختلف پرتیں کھولنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ پہلے علامہ کے کلام میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں تا کہ ان کی تصوراتی ریاست کی فلاسفی پر مزید بحث کی جا سکے۔

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد　　مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

بانگِ درا میں ماہ نو کے عنوان سے نظم میں وہ لکھتے ہیں:

نور کا طالب ہوں، گھبراتا ہوں اس بستی میں میں　　طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں میں

اسی طرح بانگِ درا میں نظم 'نیا شوالا' میں لکھتے ہیں:

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی　　آ، اک نیا شوالا اس دیس میں بنا دیں

پھر بانگِ درا میں ہی نظم ''شمع اور شاعر'' میں کہتے ہیں:

کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں　　ہے جنوں تیرا نیا، پیدا نیا ویرانہ کر

بانگِ درا ہی کی ایک غزل میں کہتے ہیں:

نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

اسی طرح فرمایا:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اور اسی نوع کے متعدد مقامات ہمیں اقبال کے اردو و فارسی کلام میں مل جاتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے ذہن میں ایک مثالی ریاست کا ایک تصور موجود تھا البتہ انھوں نے کل کو پیش کرنے کے بجائے جز کی مدد سے اپنے اس تصور کی وضاحت کی ہے۔ اور وہ جز کا تصور بلا شبہ ان کا تصورِ مردِ مومن ہے۔ علامہ نے انسانِ کامل کے لیے جہاں مردِ مومن اور مردِ حر کی تراکیب استعمال کی ہیں وہاں انھوں نے کاملیت کے تصور کو اجاگر کرنے کے لیے دیگر تراکیب بھی استعمال کی ہیں۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

> ایک مردِ مومن اور مردِ حر ہی نہیں، بلکہ کلامِ اقبال میں انسانی فضیلت کے جتنے عنوانات پائے جاتے ہیں وہ دراصل ان کے تصورِ انسان کی جزئیات و تفصیلات ہیں جو تنوع کے باوجود اصولی وحدت رکھتے ہیں۔ مثلاً مردِ مسلماں، مردِ آفاقی، مردِ بزرگ، مردِ حق، مردِ خدا، مردِ خود آگاہ و خدا مست، مردِ درویش، مردِ راز داں، مردِ روشن دل، مردِ غازی، مردِ مجاہد۔۔۔۔۔۔ کسی خاص جز پر زور دے کر ایک ہی کل پر دلالت کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ عملی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اقبال مردِ مومن کی صورت میں امتِ مسلمہ کے نئے راہنما کی تصویر کشی کرتے ہیں جو قومی زندگی کی تمام اقدار اور مقاصد کو حقیقی اسلامی تناظر میں متعین کر سکے۔[۳]

یہاں یہ بات ہمیں ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جب علامہ مردِ مومن کی بات کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہی ہے کہ معاشرے کا ہر فرد مردِ مومن کی سی خصوصیات کا حامل ہو۔ یہ ان کی وہ مثالی ریاست ہے جہاں پر ہر سحر مردِ مومن کی اذاں سے پیدا ہوتی ہے۔ جہاں کا ہر فرد اس قابل ہے کہ اس کی نگاہوں سے تقدیر بدل جائے، جہاں کا ہر فرد ایک طرف عقابی شان کا حامل ہے تو دوسری جانب شاہین کی درویشی کی جھلک بھی اس میں نظر آتی ہے۔ علامہ کی اس مثالی ریاست کا ہر فرد وہ غازی ہے جس کی ٹھوکر سے دریا و صحرا دو نیم ہو جاتے ہیں۔ اس ریاست کے ہر فرد کی جوانی بے داغ اور اس کا وجود الکتاب ہے۔ اس ریاست کا ہر فرد اپنی ذات میں آفاق کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ایک طرف وہ بریشم کی طرح نرم ہے تو دوسری جانب فولاد کی طرح مضبوط۔ ایک طرف وہ عجز و خاکساری کا پیکر ہے تو دوسری جانب حیدر کرار بھی ہے اور خالد جانباز بھی۔ غرض علامہ کی اس ریاست کا ہر فرد حقیقی معنوں میں قرآن کی تفسیر نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ خالق اس کے ہاتھ کو اتنی توفیق عطا کر دیتا ہے کہ وہ کار کشا و کار ساز، اور کار آفریں بن جاتا ہے۔

علامہ اقبال کا تصورِ خودی اور تصورِ بے خودی بھی اسی بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کے ذہنِ رسا

میں ایک مثالی ریاست کا نقشہ موجود تھا، اور وہ ریاست ایک عظیم مثالی ریاست تھی، جہاں تمام تر نظام اسلامی اصولوں اور اسلامی قوانین کے تابع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے قومیت کی مخالفت کی اور ملت کے رشتے پر زور دیا۔

بتانِ رنگ وخوں توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی[۱۰]

ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ عالم اسلام آپس میں متحد ہو کر ایک مضبوط قوت کی شکل میں سامنے آئے۔اور اس خواہش کا محرک بلاشبہ خلافتِ عثمانیہ تھی جس کو ان کے سامنے زوال آیا۔وہ چاہتے تھے کہ ایک بار پھر عثمانیہ خلافت کی مانند مسلمان دنیا پر چھا جائیں۔اسی لیے انھوں نے مسلمانوں کو ملت کے رشتے میں پرونے کی کوشش کی۔البتہ جب انھوں نے محسوس کیا کہ جنگِ عظیم کے بعد بدلتی ہوئی صورتحال میں تمام عالمِ اسلام کا ایک پلیٹ فارم پر یکجا ہونا قدرے مشکل ہو گیا ہے تو انھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی اور ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کا تصور دیا۔جس کے نتیجے میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ایک ایسا پاکستان جس میں کم از کم برصغیر ہند و پاک کے رہنے والے مسلمان ایک خطے میں یکجا ہو کر ایک مثالی ریاست قائم کریں اور وہاں کا ہر فرد مردِ مومن کی سی خصوصیات کا مالک بنے۔اسی حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

> دسمبر ۱۹۳۲ء تک علامہ اقبال اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اب الگ ملک کے مطالبے کے سوا کوئی حل نہیں رہا۔ یہ نیا ملک کس انداز کا ہونا چاہیے؟ اس کا نقشہ علامہ اقبال کی نظر میں کیا تھا؟ ۱۹۳۲ء سے وفات تک وہ اسی نقشے میں رنگ بھرتے رہے۔[۱۱]

بحیثیت قوم ہمارا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم نے اقبال کے دیگر آفاقی تصورات ونظریات کو پسِ پشت ڈالے رکھا اور جب بھی اقبال پر نظر ڈالی تو ان کے اس ایک محدود تصور پر بات کی جس کا تعلق تحریکِ پاکستان سے تھا۔ بنیادی طور پر یہ اقبال کا ایک ایسا مشن تھا جس کی تکمیل کی خاطر انھوں نے مسلمان قوم کو حرکت سے لے کر قائد کی شکل میں مردِ حرتک فراہم کرنے کی کوشش کی۔بے شک یہ اقبال کا بہت بڑا حوالہ ہے مگر اقبال کی فکری اساس یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ڈاکٹر تحسین فراقی کے نزدیک:

> ان کی دور رس نگاہوں نے نہ صرف برِعظیم کے مسلمانوں کے لیے الگ خطہء وطن کا مطالبہ کیا بلکہ چینی ترکستان میں برپا ہونے والی شورش، مسئلہ فلسطین، مظلومی کشمیر، افغانستان، وسطِ ایشیا اور امتِ عربیہ کے افتراق جیسے موضوعات ومسائل پر بھی اپنے حکیمانہ اور دردمندانہ خیالات کا اظہار کیا۔[۱۲]

وہ محض کسی ایک خطے میں اسلام کی سربلندی کے بجائے تمام عالم میں اسلام کا بول بالا چاہتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے　　نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر[۱۳]

اور

بتان رنگ وخوں توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　　　نہ تورانی رہے باقی، نہ افغانی نہ ایرانی[۱۴]

گویا اقبال حکیم الامت ہیں اور حکیم الامت ہونے کے ناتے سے انھوں نے پوری امت سے رابطہ استوار رکھا ہے۔ اس حوالے سے ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء کے خطبہ صدارت میں خود فرماتے ہیں:

'The problem of ancient indian thought was how the one became many with out sacrificing its oneness. Today this problem has come down from its ethical heights to the grosser plane of our political life, and we have to solve it in its reversed form. i.e.. how the many can become one without sacrificing its plural charachter.[15]

رہا پاکستان کا سوال تو وہ بھی اسی مسلم امت کا ایک مسئلہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جغرافیائی وسیاسی شناخت بہر حال چاہیے تھی اور اس کے لیے اقبال نے ہند کے مسلمانوں کو تحریک دی۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے پوری امت کو مستقبل کے چیلنجز سے نبرآزما ہونے کے لیے جو نظریات دیے ہیں وہ اصل میں اقبالیات کی روح ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ نے ان کے بارے میں درست کہا تھا کہ He is a man ahead of hisage، جب کہ اقبال کو خود بھی اس کا ادراک تھا اسی لیے تو کہہ گئے ہیں کہ منِ نوائے شاعرِ فرداستم۔ جغرافیائی و سیاسی لحاظ سے تو ہند کے مسلمانوں کو ایک الگ شناخت مل گئی لیکن پاکستان بننے کے بعد ہم نے عملی طور پر اقبال کا فلسفہ ترک کر دیا۔ ریاست تو بن گئی لیکن اقبال کی مثالی ریاست کا خواب آج بھی ادھورا ہے۔ بلا شبہ اقبال امام غزالی جیسے مفکر، مجدد الف ثانی جیسے روحانی مجدد اور شاہ ولی اللہ جیسے مذہبی وسیاسی مبصر کے روپ میں ہمارے سامنے ہیں لیکن مقامِ تاسف ہے کہ ہم ان کی ہمہ گیر شخصیت کے دیگر پہلوؤں کو نہ خود اپنا رہے ہیں اور نہ نئی نسل کے سامنے لا رہے ہیں۔ تحریکِ پاکستان سے لے کر حصولِ پاکستان کا ایک مرحلہ طے ہو چکا، لیکن فکر اقبال یہاں پر آ کر ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کو اقبال کی مثالی ریاست بنانا باقی ہے۔ اقبال کے نظریات کو اس کی اصل روح کے ساتھ پاکستان میں لاگو کرنے سے ہی اقبال کی اس مثالی ریاست کی تشکیل ممکن ہے۔ ایک ایسی قوم بننا جو صداقت، شجاعت اور عدالت کا سبق پھر پڑے، جو آگے جا کر قوموں کی امامت سنبھالے۔ ہمیں اقبال کو نصابی حیثیت سے نہیں بلکہ عملی حیثیت سے زندگی میں لانا پڑے گا۔ آج اقبال کی تعلیمات کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، آج ہمیں الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید کی انفرادی ترقی کے لیے اسرارِ خودی اور بحیثیت قوم وملت کے رموزِ بے خودی کی پہلے سے کہیں بڑھ کر ضرورت ہے۔ آج نگہ بلند، سخن دل نواز اور جان پر سوز رکھنے والی قیادت کی ضرورت ہے۔ آج ہمیں ملکی سلامتی، سیاسی نظام کی بحالی، فرقہ واریت کے سدباب اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے لیے علامہ کے نظریات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ آج ہمارے نظریات کے بطن سے اقتصادی اور مادی چیلنجز جنم لے رہے ہیں۔ ہمیں

درپیش مسائل کے اسباب کو ختم کرنا ہوگا اور اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنی فہم و فراست کو صورتِ فولاد بنائیں، جہاں شمشیر کی ضرورت ہی نہ ہو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آج ہماری احساسِ کمتری میں گرفتار نوجوان نسل اس احساس سے نکلے اور قوم کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد ہو، جن میں عقابی روح ہو، دریا و صحرا جن کی ٹھوکر میں ہو، جن کی نظر آسمانوں پر ہو اور جن کے ارادے پختہ ہوں۔

اقبال نے جس ارضِ پاک میں ایک مثالی ریاست کا تصور ہمارے سامنے پیش کیا ہے اس کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا کام ابھی باقی ہے۔ آج پاکستان کو ترقی دینا اور اسے ایک مضبوط علمی، سیاسی، اقتصادی اور عسکری قوت بنانا وقت کا ایک اہم تقاضا ہے، تعمیرِ پاکستان سے تکمیلِ پاکستان کے تمام مراحل ابھی طے ہونا باقی ہیں۔ آج پاکستان واحد مسلم نیوکلیئر پاور ہونے کے سبب اغیار کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن گیا ہے۔ جس طرح سے ترکی کو اس کے عروج سے خائف ہو کر مردِ بیمار بنایا گیا، آج پاکستان کو افغانستان کی مانند غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آج ایک بار پھر ہم پر وہی حربہ جدید طرز پر آزمایا جا رہا ہے جو ایک دور میں ترکی اور افغانستان پر آزمایا گیا۔ اقبال ایک ایسا صاحبِ نظر تھا جس کی آج پہلے سے بڑھ کر ضرورت ہے۔ افسوس کہ وہ صاحبِ نظر اب ہم میں نہیں لیکن اطمینان اس بات کا ہے کہ اپنے کلام کی بنیاد پر اقبال زندہ ہیں، جس سے آئندہ کی نسلیں استفادہ کرتی رہیں گی۔ آج ہمیں اقبال کی تفہیم کی از سرِ نو ضرورت ہے۔ ان کی شاعری ہمیں ایک ایسا آفاقی پیغام دے رہی ہے جس پر عمل کر کے ہم دورِ حاضر کے چیلنجز کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آج وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اقبال کے نظریات کو اپنی سیاسی، علمی، معاشرتی، مذہبی اور عسکری زندگی میں عملی طور پر لاگو کریں اور اپنے ملک اور معاشرے کو ان کی مثالی ریاست میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے دگر دانائے راز آید کہ ناید؟[۱۶]

❁......❁......❁

حواشی

۱- ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، اقبالیات کا مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۱۰۵۔
۲- ڈاکٹر تحسین فراقی، جہاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۵۰۔
۳- کلیاتِ اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۳۹۶۔
۴- ایضاً، ص ۸۶۔

۵- ایضاً، ص ۱۱۵۔
۶- ایضاً، ص ۲۱۸۔
۷- ایضاً، ص ۱۲۷۔
۸- ایضاً، ص ۱۳۳۔
۹- ڈاکٹر وحید قریشی، اساسیاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ص ۱۰۹۔
۱۰- کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۳۹۶۔
۱۱- ڈاکٹر وحید قریشی، اساسیاتِ اقبال، ص ۱۰۹۔
۱۲- ڈاکٹر تحسین فراقی، جہاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۵۰۔
۱۳- کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۳۹۶۔
۱۴- ایضاً، ص ۱۳۰۰۔
15- Latif Ahmed Sherwani, *Speeches, Writings & Statements of Iqbal*, Iqbal Academy Pakistan, Lahore.
۱۶- کلیاتِ اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۸۹۴۔